تعلیماتِ حضرتِ مجدد الف ثانی کی روشنی میں اصلاحِ عقائد

Reformation of Beliefs in the light Hazrat Mujaddid Alf Thani's Teachings

Nayyab Gul
PhD Scholar, Lahore Garrison University, Lahore
Email: nayabgul786@gmail,com

ABSTRACT

Islam is a complete religion and it gives its followers a complete code of life. There are two main parts of the building of Islam, one is called the pillars of Islam and the other is called the beliefs of Islam. Pillars of Islam are concerned with practical life while beliefs are concerned with theory and thought. Just as it is important to follow the rules, it is also important to keep the beliefs correct. Without it, acceptance of one's deeds would seem insane. In the time of Mujaddid -Alf- Thani, the beliefs that were being pushed back, he examined them with his spiritual insight and then took the necessary steps to solve them and played a vital role in the construction and development of his society. In this article, we will mention some of his efforts regarding reformation of beliefs.

Keywords: Islam, Mujaddid-Alf-Thani, Pillars of Islam, Reformation of Beliefs.

اسلام ایک مکمل دین ہے اور یہ اپنے ماننے والوں کو زندگی گزارنے کا ایک پورا لائحہ عمل دیتا ہے۔ اسلام کی عمارت کے دو اہم حصے ہیں ایک کو ارکان اسلام کہتے ہیں اور دوسرے کو عقائد اسلام۔ ارکان کا تعلق عملی زندگی سے ہے جبکہ عقائد کا تعلق نظری اور فکری اعتبار سے ہے۔ جس طرح ارکان پر عمل کرنا لازمی امر ہے، اسی طرح عقائد کو درست رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر اعمال کی قبولیت دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں جن عقائد کو پس پشت ڈالا جا رہا تھا، آپؒ نے اپنی روحانی بصیرت سے اس کا جائزہ لیا اور پھر اس کے

حل کے لیے ضروری اقدامات اٹھائے اوراپنے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں ایک جاندار کردار ادا کیا۔ ذیل میں ہم آپؒ کی ان کاوشوں کا ذکر کریں گے۔

تحفظِ مقامِ نبوت

کسی بھی دین کا دارومدار اور مقام و مرتبہ اس کے لانے والے سے متعلق ہوتا ہے۔ جو شان و مقام نبی کا ہو گا، وہی اس کے دین اور اس کے پیروکاروں کا ہو گا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے معاشرے کو اگر دیکھا جائے تو وہاں دین الٰہی کا چرچا ہے، جس میں ضرورت نبوت کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ الف ہزاری کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں ڈال دیا گیا تھا کہ اب اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس سلسلہ میں آپ نے رسالہ اثبات النبوۃ بھی تحریر کیا اور اپنے مکتوبات میں وقتاً فوقتاً اس کا ذکر بھی کیا۔ ان میں سے چند ایک مکتوبات کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

ا۔ اعمال کا دارومدار نبی ﷺ کی متابعت پر ہے

جو بھی اچھے اعمال کیے جائیں وہ اگر نبی کی اطاعت سے سر مو تجاوز کر جائیں تو رد کر دیے جائیں گے جیسا کہ حضرت مجددؒ نے خان خاناں کی طرف مکتوب بھیجا:

> "اگر ہزار سال بھی عبادت کی جائے اور وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی متابعت میں نہیں ہے تو اس کی قیمت اللہ کے ہاں جو برابر بھی نہیں ہے۔"[1]

گویا واضح کر دیا کہ عبادت صرف اس وقت قبول ہو گی جب وہ نبی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو گی، نہیں تو وہ رد کر دی جائے گی۔

اسی طرح آپ نے ایک مکتوب محمد صادق کشمیری کی طرف لکھا جس میں بتایا گیا ہے کہ نبی کے خلاف جو کچھ بھی ہو گا، مردود شمار کیا جائے گا اور وہ کسی بھی حالت میں قابل قبول نہیں ہو گا۔ آپ لکھتے ہیں:

> "ولی، نبی کے تابع ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ بھی کیا جائے گا، مردود شمار ہو گا۔"[2]

چونکہ اس وقت نام نہاد صوفیہ شریعت کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے، اس لیے آپ نے ہر ولی کے لئے ایک قاعدہ مقرر کر دیا کہ جب بھی وہ کسی معاملہ میں نبی کی مخالفت کرے گا، وہ رد ہے لیکن جس معاملہ میں کوئی حکم نہیں آیا تو اس کو گنجائش حاصل ہے۔

۲۔ نبوت ولایت سے افضل ہے

نبوت مطلقاً ایک وہبی شے ہے۔ اس میں کسب کا کوئی دخل نہیں ہے جبکہ ولایت اگرچہ نفسی اعتبار سے وہبی ہے لیکن اس میں کسب کا کافی حد تک عمل دخل ہے۔ اس معاشرے میں یہ غلط تصور پھیل چکا تھا کہ ولایت نبوت سے بھی افضل ہے۔ آپ نے اس کا بھی اپنے مکتوبات کے ذریعے رد فرمایا۔ آپ نے سید احمد بجواری کی طرف ایک مکتوب میں لکھا کہ:

"نبی کی نبوت بھی اس کی ولایت سے افضل ہے۔"[3]

لہٰذا نبی ہر صورت میں ایک ولی سے افضل ہو گا اور اس میں کوئی دورائے نہیں ہے۔

اسی طرح انھیں ایک اور مکتوب میں لکھا کہ:

"الولایة افضل من النبوة کہنے والے درست نہیں ہیں کیونکہ نبوت میں رخ دونوں طرف ہوتا ہے بخلاف ولایت کے کہ اس میں صرف اللہ کی طرف ہوتا ہے۔"[4]

ایک ولی ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور جو دم غافل سو دم کافر پر یقین رکھتا ہے۔ اسے ہر وقت اس کی یاد میں مستغرق رہنا ہی اپنی زندگی کا مقصد نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس ایک نبی جتنا رب کے نزدیک ہوتا ہے، اتنا ہی مخلوق خدا کے نزدیک ہوتا ہے اور اسے اپنے سے زیادہ مخلوق خدا کی فکر دامن گیر رہتی ہے اور اس طرح اس کا اجر بھی دوہرا ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا حمید الدین بنگالی کی طرف ایک مکتوب لکھا کہ:

"کمالات نبوت کے مقابلہ میں کمالات ولایت کی کچھ مقدار نہیں۔ آفتاب کے مقابلہ میں ذرہ کی کیا مقدار ہے؟"[5]

نبوت اتنی ارفع و اعلیٰ شے ہے کہ ہم اس کے مقابلہ میں ولایت کو ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ ولایت تو نبوت کے طفیل ہے، اگر وہ نہ ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اسی طرح ایک مکتوب آپ نے اپنے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی بارگاہ میں پیش کیا جس میں لکھا کہ:

”کامل صحو صرف انبیائے کرام کا حصہ ہے اور وہ علوم جو ان سے ظاہر ہوتے ہیں، سراسر شریعت اور عقائد ہیں۔“[6]

صحو دراصل تصوف کی ایک اصطلاح ہے جس میں بندہ کا ہر عمل شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے اور انسان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی۔

۳۔ آنحضرت ﷺ کی تصدیق ضروری ہے

چونکہ دین الٰہی (اکبری) کی بنیاد ہی رسالت کو مشکوک بنانے پر رکھی گئی تھی، اس لیے اکثر لوگوں میں رسالت کے بارے میں شکوک واضح ہوگئے تھے، یا پھر صلح کلی کی پالیسی کے تحت تمام ادیان کو ایک ہی مرتبہ میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس چیز کو دیکھتے ہوئے حضرت مجددؒ نے آنحضرت ﷺ کی تصدیق کو ضروری قرار دیا اور ایک مکتوب جباری خان کی طرف صادر فرمایا کہ

”حضور نبی اکرم ﷺ کا انکار تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کا انکار ہے اور آپ کی تصدیق ان سب کی تصدیق ہے تو لازمی طور پر آپ کے منکر اور اس شریعت کے منکر بدترین امم ہیں۔“[7]

نبوت کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر نبی آخر الزمان جناب رسالت مآب ﷺ پر ختم ہوگیا ہے۔ اب دین اور مذہب صرف اسلام ہی قبول ہوگا اور ہدایت کے لیے اب آپ ﷺ کی تصدیق نہایت ضروری ہے۔

جب حضرت مجدد کے زمانہ میں ولایت کو نبوت سے افضل بتایا جارہا تھا تو آپ نے اس کا بروقت قلع قمع کرتے ہوئے ولایت میں سے بھی ولایت محمدی ﷺ کو سب سے افضل بتایا۔ جیسا کہ ایک مکتوب شیخ محمد مکی کی طرف روانہ فرمایا:

”سب سے اعلیٰ درجے کی ولایت وہ ہے، جو ہمارے نبی ﷺ کی ہے۔“[8]

اگر کسی کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور وہ سب سے بڑا مقام ولی کو دے رہا ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ ولیوں میں بھی سب سے زیادہ مقام ہمارے نبی کی ولایت کا مقام و مرتبہ ہے۔

اس طرح حضرت مجددؒ نے رسالت کی ایسی تشریح بیان کی جو عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ بالکل واضح تھی۔ اگر کوئی سرے سے نبوت کا منکر تھا تو اسے نبوت کی ضرورت واہمیت بتائی اور اگر کوئی ولایت کو اس سے افضل بتاتا تو اسے وضاحت دی کہ ولایت، نبوت کی باجگزار ہے۔ نبوت کے بغیر ولایت کا کوئی تصور موجود ہی نہیں ہے اور نبوت کو ہر صورت ولایت سے افضل ہی ماننا پڑے گا۔

تحفظ مقام صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل بیت عظام، اللہ تعالیٰ کی وہ مقدس ومعزز ہستیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی صحبت ومعیت سے نوازا ہے۔ امت مسلمہ پر ان ہستیوں کے ان گنت احسانات ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے عہد میں بھی دور حاضر کی طرح صحابہ واہل بیت کے مشاجرات کے قصے بڑے ولولے اور جوش سے پڑھے جاتے تھے اور پھر بعض ناعاقبت اندیش ولی کو صحابی سے افضل جانتے تھے۔ اس طرح وہ اسلام کی عمارت میں چھید کرنے کے درپے تھے، لیکن حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اپنی مجددانہ فراست سے اپنے معاشرے اور سماج میں ان نظریات کی ترجمانی کا بھی حق ادا کر دیا ہے۔

مقام صحابی

سب سے پہلے حضرت مجدد رحمہ اللہ نے صحابی کے مقام کو واضح کیا ہے کہ صحابی کا کتنا اعلیٰ وارفع مقام ہے۔ مرزا حسام الدین احمد کو ایک مکتوب کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”صحابہ کرام کے لیے یہ نادرالوجود نسبت اول قدم میں ہی ظاہر ہو گئی اور ایک مدت گزرنے پر کمال کو پہنچ گئی۔ ابتدا میں ہی اس نسبت کا ظہور صحبت خیر البشر کی برکت سے ہے۔“[9]

نسبت مصطفیٰ ﷺ اتنی قیمتی شے ہے کہ لوگوں کی زندگی بھر کی کمائی اس ایک نیکی (دیدار مصطفیٰ ﷺ) کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب سید محمود کی طرف بھیجا، جس میں صحابہ کرام کے مقام کو بڑے احسن انداز میں واضح کیا۔ فرماتے ہیں:

> ”حضرت وحشی[10] کا مقام، حضرت اویس قرنی[11] سے سے زیادہ ہے کیونکہ وہ صحابی ہیں۔“[12]

سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ، قاتل سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقام، امام عاشقاں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہے کیونکہ انھیں ظاہراً صحبت کا شرف حاصل ہوا جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح کا ایک اور مکتوب، خان اعظم کی طرف

بھی روانہ فرمایا جس میں لکھا گیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک[13] سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ؟

انھوں نے فرمایا:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ناک میں جانے والی غبار بھی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے۔“[14]

مذکورہ بالا مکتوب سے شانِ صحابیت و مقامِ صحابیت یقیناً واضح ہو جاتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب مرزا حسام الدین احمد کی طرف بھیجا اور اس میں لکھا کہ:

”بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں بڑی تاثیر ہے، یہی وجہ ہے کہ اویس قرنی باوجود بلند مقام کے، صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔“[15]

دلوں کا قرب تو کسی سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، سلاسل میں فیض کا تسلسل اس کی ایک عمدہ مثال ہے لیکن جو اہمیت صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے، اس کی کوئی برابری نہیں ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام صحابہ کرام کا مقام ارفع و اعلیٰ ہے۔ قصبہ سامانہ میں ایک خطیب نے عید کے خطبہ میں خلفائے راشدین کا نام نہ لیا تو آپ نے اس قصبہ کے سادات اور معزز افراد کی طرف ایک مکتوب جاری فرمایا، اس میں لکھتے ہیں کہ:

”اس خطیب سے رافضیت کی بو آ رہی ہے۔ اس قصبے کے معززین کو اس معاملے میں سخت ایکشن لینا چاہیے تھا کیونکہ حضرات شیخین کی فضیلت پر امت کا اجماع ہے جس میں حضرت امیر بھی شامل ہیں۔“[16]

یہ بات اہل سنت کے معمولات میں رہی ہے کہ خطبہ میں خلفائے راشدین کا نام لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس میں جان بوجھ کر سستی دکھاتا ہے تو پھر اس کے دل میں روگ ہے اور عوام کو ایسے مصلحین سے بچانا اہل حل و عقد کی ذمہ داری ہے۔ پھر صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل علاقہ کو بھی سخت سرزنش کی اور فرمایا کہ:

”اس قسم کے بدبودار پھول کی وجہ سے ہو سکتا ہے پورے ہندوستان پر عذاب نازل ہو کیونکہ یہود کو بھی یہی کہا گیا تھا۔“[17]

یہ تمام مسلمانوں کی ایک اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ ان شخصیات کے مذہبی تقدس کو برقرار رکھیں، جن کی وجہ سے دین اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوئی ہیں، اگرچہ اس کے لیے انھیں کچھ بھی کرنا پڑے۔ جب علماء و مشائخ کو ایک اہم مسند تفویض کیا گیا ہے تو پھر اس مقام کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں جن کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔ ان میں عقائد کا باب سب سے اول ہے، اس کے بعد دوسرے افعال ہیں۔ اگر بنیاد ہی غلط ہو تو پھر معاشرے کا اللہ ہی حافظ ہے۔

صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کا آپس میں تعلق

صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم باہم شیر و شکر تھے۔ ان میں کسی قسم کی کوئی رنجش یا مخالفت نہ تھی۔ اگر ان کے درمیان کچھ اختلافات ہوئے ہیں تو وہ بھی قابل طعن نہیں کیونکہ خطائے اجتہادی میں بھی ایک اجر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ایک مکتوب سید محمود کی طرف بھیجا جس میں فرق باطلہ کے بارے میں لکھا کہ:

> "ان پر صحبت کی فضیلت پوشیدہ ہے۔ اہل بیت کشتی اور اصحاب ستارے ہیں۔ جیسے کشتی کے بغیر کوئی چارہ نہیں، ویسے کشتی والوں کو درست منزل کے لیے ستاروں سے رہنمائی لینے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی سے کوئی اجتہادی غلطی ہوگئی ہے تو اس پر بھی ایک اجر ہے۔"[18]

صحابہ کرام اور اہلبیت عظام رضی اللہ عنہم دونوں کا ادب و احترام ہم پر لازم ہے۔ اگر ہم ان میں سے کسی ایک کو اس کے جائز مقام سے نیچے لے جائیں تو ہمارا ایمان کامل نہیں رہ سکتا۔ حضرت مجددؒ نے بڑی بہترین مثال سے بات کو واضح کیا ہے کہ ہم گہرے پانی میں ہوں تو نجات کے لیے ہمیں کشتی کے علاوہ کوئی شے نہیں بچا سکتی۔ جب ہم کشتی پر بیٹھ گئے تو پھر درست راستہ کی رہنمائی کے لیے ہمیں ستاروں کا سہارا لینا پڑے گا، ورنہ ہم منزل مقصود پر کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہی مثال اہلبیت و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مکتوب ملا شکیبی اصفہانی کی طرف لکھا۔ موضوع کی مناسبت سے اس کا ذکر کرنا خالی از فائدہ نہ ہو گا۔ آپ فرماتے ہیں:

> "اصحاب سب عدول ہیں، اگر کسی کے بارے شک ظاہر کیا جائے تو قرآن پر شک آتا ہے کیونکہ اس کے اٹھانے والے یہی لوگ ہیں۔"[19]

اگر کسی صحابی کے بارے میں تھوڑا سا بھی شک کیا جائے تو ایمان بر قرار نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ایمان لانے کے لیے ہم قرآن و حدیث کے محتاج ہیں اور سب سے پہلے قرآن و حدیث صحابہ کرام تک پہنچا اور انھوں نے ہم تک پہنچایا اور وہ خود ہی ایمان دار نہیں تو پھر ہم تو ایسے ہی اندھیرے میں ٹامک ٹویاں مار رہے ہیں۔

اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک نہایت اہم اور جامع مکتوب جو آپ نے ملا مراد کشمی کی طرح لکھا تھا کہ

"حسد، بغض، اور کینہ وغیرہ رزائل سے اگر صحبت نبوی میں رہ کر بھی صحابہ پاک نہیں ہوئے تو پھر وہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ تو ڈائریکٹ نبی کی تربیت پر سوال اٹھتا ہے۔ اگر خلافت صدیق کا انکار کیا جائے تو تمام صحابہ پر نقص وارد ہوتا ہے۔ باہم مشاجرات میں کسی پر بھی طعن کرنا درست نہیں۔"[20]

نبی کی نسبت کا یہ مقام ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب کے لیے پسند ہی وہ لوگ کیے ہیں جو تمام مخلوقات سے افضل تھے۔ اگر کہا جائے کہ صحابہ کرام ایسے ویسے تھے تو پھر نبی اکرم ﷺ جو تزکیہ کے لیے تشریف لائے ہیں، ان کی تربیت کا اثر کدھر گیا؟ اگر وہ اپنے صحابہ کو نہیں سنبھال سکے تو پوری امت کا کیا بنے گا؟ اور اگر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت درست نہیں تھی تو پھر ان کی بیعت کرنے والے تمام صحابہ کرام کے بارے کیا کہا جائے گا؟ صحابہ کرام میں اگر کچھ اختلاف رہا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں ان کا فیصلہ کرنے والے اور ان پر طعن کرنے والے؟ اس بارے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ایمان کا معاملہ ہے۔

اسی طرح ایک مکتوب مخدوم زادہ محمد معصوم کی طرف لکھا جس میں فرمایا کہ:

"صحابہ کرام سے بغض حضور ﷺ سے بغض کی وجہ سے ہے اور ان سے محبت حضور ﷺ سے محت کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ کی نسبت علیا کا ظہور حضرت مرتضٰے، فاطمۃ الزہراء، حسنین کریمین اور بارہ اماموں[21] میں واضح طور پر ہوتا ہے۔"[22]

صحابہ کرام کو جتنا مقام اور شان ملی ہے وہ صرف نسبت مصطفیٰ ﷺ کی وجہ سے ہے، لہٰذا کوئی ان سے محبت کرے گا تو آپ ﷺ کی وجہ سے اور اگر کوئی ان سے بغض رکھے گا تو بھی آپ ﷺ کی وجہ سے۔ یہ حضرت مجدد کا کشف ہے کہ جو نسبت بارہ اماموں اور پنجتن پاک کو ملی ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔

حضرت مجدد کے دور میں شیعہ کو بہت زیادہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور امامت کی بحث زور و شور سے جاری تھی۔ اس بحث کو سمجھنے کے لیے اور صحابہ و اہل بیت کرام علیہم الرضوان کی محبت میں افراط و تفریط کو دیکھنے کے لیے آپ نے ایک طویل مکتوب خواجہ محمد تقی کی طرف روانہ کیا۔ اس میں کہا گیا ہے:

"امامت میں ترتیب خلافت کی بنیاد پر ہے۔ حضرت امیر پر تقیہ کا بہتان لگانا بڑی جسارت ہے۔ مشہور شیعہ عبد الرزاق بھی افضلیت شیخین کا قائل ہو گیا۔"[23]

یہاں امامت سے مراد افضلیت اور خلافت ہے۔ یہ کچھ لوگ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر تقیہ کا بہتان لگاتے ہیں، یہ انتہائی غلط بات ہے کیونکہ آپ شیر خدا ہیں۔ آپ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا ہی انتہائی نا معقول ہے۔ جو حضرات تاریخ کو قرآن و حدیث سے جوڑ کر پڑھتے ہیں، انھیں اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ فضیلت کا معیار خلافت کی ترتیب ہی ہے۔

یہ وہی مکتوب ہے جس میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا کشف بیان کیا ہے کہ میں ہر روز اہل عبا پر کھانے کا ایصال ثواب کرتا تھا اور امہات المؤمنین کو ایصال ثواب میں شامل نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور فرمایا کہ میں کھانا عائشہ کے گھر کھاتا ہوں، جسے بھیجنا ہو وہ عائشہ کے گھر بھیجا کرے۔[24]

آگے چل کر اسی مکتوب میں لکھتے ہیں کہ

"اگر اجتہادی اعتبار سے ان کے ہاں مسائل ہوئے ہیں تو اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو ان مقدس خونوں سے بچایا ہے تو ان سے ہمیں اپنی زبانوں کو بھی بچانا چاہیے۔"[25]

صحابہ کرام میں بہت سی ایسی باتیں ہوئی ہیں جہاں ہمیں آنکھیں بند کر کے گزرنا چاہیے لیکن ہم وہاں اپنے ترازو لے کر بیٹھ جاتے ہیں جس سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان معاملات کو بالکل ڈسکس نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح ایک مکتوب اہل سنت و جماعت کے عقائد کے بارے میں خان جہان کی طرف روانہ فرمایا۔ اس میں بھی امامت کی بحث سے متعلق درج ہے کہ:

> "خلافت و امامت نہ ہی اصول میں سے ہے اور نہ ہی اعتقاد میں سے، ویسے ہی اس مسئلے کو بڑھا دیا گیا ہے۔ حضرات شیخین کی افضلیت قطعی طور پر ہے۔ حضرت عائشہ علم و اجتہاد میں مقدم

ہیں اور حضرت فاطمہ زہد و انقطاع میں۔ جو اصحاب کے درمیان لڑائی جھگڑے ہوئے انھیں نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے۔"[26]

انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اصول کو مضبوط کرے نہ کہ فروعات میں پڑ کر اپنے اور دوسروں کے لیے مسائل کا باعث بنے۔ امامت و خلافت کا مسئلہ نہ ہی اعتقادات میں سے ہے اور نہ ہی اصول میں سے لیکن اس بات کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کر دیا گیا ہے کہ ہر کوئی اس بحث میں پڑا ہوا ہے۔ افضلیت شیخین اہلسنت کے نزدیک قطعی ہے اور اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں کا مقام و مرتبہ ارفع و اعلیٰ ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ حضرت مجددؒ دونوں کی افضلیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دونوں ہی مقدم ہیں لیکن اس کی جہات مختلف ہیں۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا زہد و انقطاع میں مقدم ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم و اجتہاد میں مقدم ہیں۔ مشاجرات صحابہ میں کسی بھی فریق پر طعن کرنا درست نہیں ہے اور دونوں فریق ہی حق پر ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

روافض کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض بہت زور و شور سے کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض وصال میں کاغذ طلب فرمایا لیکن حضرت عمر نے کاغذ اور قلم نہ دیا اور پھر اس بات کو بنیاد بنا کر حضرت عمر پر زبان طعن دراز کی جاتی ہے۔ عقائد کے باب میں یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اس عقدہ کو واکرنے کے لیے خواجہ ابوالحسن کشمی کو ایک طویل مکتوب روانہ فرمایا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:

"حضرت عمر نے آنحضرت ﷺ کی تکلیف کو دیکھ کر کاغذ لانے سے منع کیا، نہ کہ ان کا کوئی اور مطلب تھا۔ اس پر ان کو تہمت کرنا نہایت غلط ہے کیونکہ آپ کو کافی بشارات سنائی گئی ہیں۔"[27]

عاشق صادق کو محبوب کی تھوڑی سی تکلیف بھی گوارا نہیں ہوتی اور پھر وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کے بارے حضور ﷺ فرماتے ہیں((لو کان بعدی نبی لکان عمر))[28] ان پر اتنی بڑی تہمت لگانا بڑی جرات کی بات ہے۔ آپ ﷺ مرض وصال میں ہیں اور تکلیف میں ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کو کچھ لکھنے کے ساتھ تکلیف ہو گی۔ ہمارے پاس قرآن و حدیث کا ذخیرہ موجود ہے اگر ہمیں کوئی مشکل پیش آئی تو اس کا

حل نکالا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس بات میں ان پر طعن نہیں بنتا۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں جو خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور سابقین میں شامل ہیں۔ ایسی باتیں ہر گز ان کے شایان شان نہیں ہیں۔

صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم باہم شیر و شکر تھے۔ جتنے بھی اعتراض لگائے جاتے ہیں وہ سارے سطحی قسم کے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس موضوع کو مکمل کرتے ہوئے آخر میں آپ کے ایک مکتوب کا ذکر کرنا ضروری ہے جو آپ نے مرزا فتح اللہ حکیم کی طرف بھیجا کہ:

> "نجات والا فرقہ وہی ہے جو صحابہ کے نقش قدم پر چلے۔ اگر صحابہ پر طعن کریں تو پورے دین پر طعن آتا ہے اور اگر حضرت امیر پر تقیہ کی تہمت لگائیں تو یہ نفاق تو ایک عام مسلمان کے لیے بھی نہیں سوچا جا سکتا۔"[29]

ناجی فرقہ کی علامت ہی صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر صحابہ پر طعن کیا جاتا ہے تو اس دین کی بنیاد ہی قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ دین کو اول اٹھانے والے وہی ہیں، بعد میں بھی ان کی وجہ سے ہی دین پھیلا ہے۔ لہٰذا ان پر طعن کرنا اپنے ایمان کو برباد کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر تقیہ کی تہمت لگانا ایک نہ معقول سی بات ہے۔ ان کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا ایک عام قاری بھی ان پر بزدلی کی تہمت کو برداشت نہیں کر سکتا تو یہ کیسی ان کی شان بیان کی جا رہی ہے جس سے ان پر بزدلی کی تہمت سچ ثابت ہو رہی ہے۔

حضرت مجدد نے ہر اس مسئلہ کا سدباب کیا جہاں کھوٹ پیدا ہو رہا تھا اور اپنے مکاتیب کے ذریعے اس حقیقت کو طشت از بام کیا کہ اہل بیت و صحابہ باہم یکجا ہیں۔ ان میں دوئی دکھانے والے اسلام اور مسلمانوں کے مجرم ہیں، جو اصل اسلامی عقائد سے کھلواڑ کر رہے ہیں۔

تحفظ مقام صالحین

انسانیت میں سے افضل ترین انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ ان کے بعد وہ لوگ مرتبہ والے ہیں جو ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے یعنی صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ عنہم۔ ان کے بعد اس خیر و شر کے مجموعہ (دنیا) میں قابل فخر وہ لوگ ہیں جو اپنے دل کو اللہ سے جوڑے رکھتے ہیں اور ہمہ وقت اس کے جلووں میں گم رہتے ہیں۔ ان کی اپنی ایک الگ پہچان ہے۔ معاشرے میں خیر و فلاح کے سوتے ان کی وجہ سے ہی پھوٹ رہے ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ کے سماج میں ہر شخص اولیاء اللہ کو زبان کا تختہ مشق بنائے ہوئے تھا اور معاشرہ میں کھرے کھوٹے کی

تمیز نہ ہونے کی وجہ سے اولیاء کا انکار کیا جارہا تھا۔ شاید اس میں کچھ حصہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود جیسے کلامی اختلافات کا بھی تھا۔ ان حالات میں حضرت مجدد نے اپنے مکاتیب کے ذریعے معاشرے میں اولیاء وصوفیہ کے اصل مقام کو واضح کیا ہے۔ اس ضمن میں سطور ذیل میں چند ایک مکاتیب کا خلاصہ سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔

علماء وصوفیہ کی شان

ہر طبقہ میں اچھے اور بُرے ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں کسی بھی معاملہ میں افراط و تفریط درست نہیں ہے، اچھے علماء وصوفیہ کی شان بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد رحمہ اللہ نے ایک مکتوب مرزا شمس الدین کی طرف لکھا کہ علماء اور صوفیہ کو کتنا حصہ دیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

> "علماء کا نصیب شرائع و احکام کا علم ہے۔ صوفیہ کو اس کے ساتھ احوال و مواجید اور علوم و معارف بھی ملتے ہیں اور علماء راسخین کو ان سب کے ساتھ اسرار و دقائق سے بھی نوازا جاتا ہے۔"[30]

مذکورہ بالا ترتیب سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سب سے پہلا درجہ علماء کا ہے جنھیں شریعت کا علم عطا کیا گیا ہے۔ اگلا مرتبہ صوفی کا ہے جو عالم شرع ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی احوال و مواجید کا بھی جاننے والا ہوتا ہے۔ سب سے آخری اور اکمل درجہ علماء راسخین کا ہے، جو عالم اور صوفی یعنی ظاہر و باطن دونوں کو کامیابی سے ملا کر چلاتا ہے۔

اسی طرح کا ایک مکتوب شیخ جمال ناگوری کی طرف بھیجا جس میں واضح کیا کہ شریعت اور طریقت الگ الگ نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں عالم وہی ہے جو ان دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ حقیقی مرتبہ وہی پاتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

> "بعض لوگوں نے شریعت کی صورت کو لے کر حقیقت کا انکار کیا ہے اور بعض حقیقت میں گرفتار ہوئے لیکن انھوں نے شریعت کو نہ جانا تو صرف پوست ہی لے کر گئے، مغز ان کے ہاتھ نہ آیا۔"[31]

ہمارے معاشرے کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک جہت کو سب کچھ سمجھ کر باقی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس طرح ہم مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضرت مجددؒ کے معاشرے میں بھی دور حاضر کی طرح شریعت اور تصوف کو الگ الگ سمجھا جارہا تھا۔ آپ نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ جو صرف شریعت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور تصوف کو

نہیں مانتے تو انھوں نے حقیقت کا انکار کر دیا اور جو صرف تصوف کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں تو وہ صرف چھلکا ہی لے کر گئے اور مغز انھیں نہیں ملا، گویا وہ خالی ہاتھ ہی گئے۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ نے بادشاہ وقت کو ایک مکتوب لکھا اور واضح کیا کہ اس لشکر سے زیادہ فتح میں دعا والے لشکر کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ صلحاہی ہیں جن کی دعا نے آگے بڑھ کر فتح کے لیے بادشاہ کی دستگیری کی۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

> "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن شہیدوں کے خون کو علماء کی سیاہی کے ساتھ تولیں گے اور سیاہی والا پلڑا غالب آجائے گا۔"[32]

شہید اپنی جان تک خدا کی راہ میں لگا دیتا ہے لیکن اس کے خون اور حق پرست عالم کے قلم کی سیاہی کو تولا جاے گا تو عالم کی سیاہی بڑھ جائے گی۔ اتنا مقام سوائے علم کے کہاں ملتا ہے۔

اور صرف اتنا ہی نہیں اپنے پیر بزرگوار کی طرف ایک مکتوب روانہ کیا اور لکھا کہ:

> "علماء کی اعمال میں سستی کرنے کے باوجود عقائد کی اصلاح کی وجہ سے ایک نورانیت پیدا ہو جاتی ہے جو ریاضات و مجاہدات سے نہیں ملتی۔ علماء اور طلباء کی محفل میں بیٹھنا بہت اچھا لگتا ہے۔"[33]

علماء چاہے اعمال میں سستی کریں لیکن چونکہ عقیدہ کے باب میں وہ پہرہ دار ہوتے ہیں، اس لیے انھیں ایک طرح کی نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مجددؒ علماء اور طلباء کی اس طرح شان بیان کرتے ہیں کہ مجھے ا نکی محفل میں بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔ ان کی کتابوں کا تکرار اور مطالعہ دل کو لذت بخشتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے مجدد وقت ہو کر علماء و طلباء کی یہ شان بیان کی ہے کہ پڑھنے والا خود بخود ان کی محبت میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اولیاء اور اللہ کی معرفت لازم و ملزوم ہیں۔ جب ایک حاصل ہو گی تو دوسری خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے یہ محفل ہی اصل میں نجات و فلاح کی ذمہ دار ہے۔ بات صرف یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ آپ نے تو اہل اللہ پر اعتراض کرنے والوں کی ہجو کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے۔ جعفر بیگ نہانی کی طرف آپؒ نے ایک مکتوب ارسال کیا، اس میں لکھتے ہیں کہ:

"جب قریش، مسلمانوں کی ہجو کیا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ مسلمان شعراء سے کہتے کہ ان کی ہجو کرو۔ اس معاملے میں جبرائیل امین تمھارے ساتھ ہوں گے۔"[34]

صحابہ کرام جو تمام اولیاء کے سردار اور عظمت وشان میں سب سے بڑھ کر ہیں، ان کی ہجو کرنے والے کی ہجو کرنا رسول مکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ یہ طبقہ ہی ایسا ہے کہ اس کے مخالفوں کے ساتھ اللہ بھی جنگ کا حکم سناتا ہے اور فرشتے بھی ساتھ ہو جاتے ہیں اور مخالف کو کہیں بھی منہ چھپانے کی جگہ نہیں ملتی۔

خلاصۂ بحث

یہ چند ایک مثالیں بیان کی گئی ہیں کہ کس طرح حضرت مجدد نے سلف صالحین اور علماء وصوفیاء کے مقام و مرتبے کا تحفظ کیا ہے۔ اس آرٹیکل کے مندرجات اصلاحِ عقائد کی تین ابحاث شامل کی گئی ہیں۔ پہلی بحث مقام نبوت کے تحفظ کے بارے میں ہے کیونکہ اس وقت نبوت کو غیر ضروری شئے سمجھا جارہا تھا۔ آپ نے سب سے پہلے نبوت کی ضرورت واہمیت کو واضح کیا اور کیونکہ بعض لوگ ولایت کو نبوت سے افضل سمجھ رہے تھے، اس لئے آپ نے واضح کیا کہ ولایت، نبوت کی خادم ہے۔ دوسری بحث تحفظ مقام صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ اس دور میں اہل تشیع کافی مضبوط تھے اور عوام وخواص میں مشاجرات صحابہ کو بڑے پر اسرار انداز سے بیان کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں ابتداءً مقام صحابہ بیان کرنے والے چند خطوط ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کا باہمی پیار ومحبت اور قلبی وابستگی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور آخر میں مشاجرات صحابہ میں اہل سنت کے موقف کی تائید والے مکتوبات بالتفصیل ذکر کیے گئے ہیں۔ تیسری بحث میں تحفظ مقام سلف صالحین رحمہم اللہ کے عنوان سے علماء وصوفیہ کے مرتبہ کو واضح کیا گیا ہے اور ان پر طعن کرنے والوں کا حکم سنایا گیا ہے۔

حوالہ جات

1 مجدد الف ثانی، احمد سرہندی، شیخ، مکتوبات، مترجم: عالم دین نقشبندی، مولوی، لاہور، مکتبہ اللہ ھو والے، 1960ء، دفتر اول، ج:3، ص:112

2 مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، ج:2، ص:157

3 ایضاً، ج:2، ص:163

4 ایضاً، ص:128

5 ایضاً، دفتر دوم، ص:156

6 مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، ج:1، ص:45

7 ایضاً، ج:2، ص:107

8 ایضاً، دفتر اول، ج:1، ص:85

9 مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، ص:270

10 وحشی بن حرب۔ آپ حضرت جبیر بن مطعم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے بحالت کفر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوہ احد میں شہید کیا، بعد میں حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ خلافت صدیقی کے زمانے میں جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا۔

11 مشکوٰۃ شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تابعین میں سب سے بہتر مرد کا نام اویس ہے جو قرن کے علاقہ میں رہتا ہے۔ آپؒ کا عشق ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی لیکن ضعیف ماں کی خدمت کی وجہ سے صحابیت کا مرتبہ نا پا سکے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو امت کی بخشش کی دعا کروانے آپؒ کے پاس بھیجا اور ساتھ جبہ مبارک بھی تحفہ کے طور پر عنایت کیا تھا۔

12 مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، ص:180

13 حضرت عبد اللہ بن مبارک دین کے سرداروں اور فقہاء امت میں سے ہیں آپ کی ذات مجمع خیرات اور مصدر خیرات ومصدر برکات تھی۔

14 مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، ج:1، ص:74

15 ایضاً، ج:3، ص:140

16 ایضاً، دفتر دوم، ص:59

17 مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، ص:59

18 مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، ج:2، ص:60

19 ایضاً، ج:3، ص:149

20 مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، ص:84

21 بارہ اماموں کا تصور شیعہ کا سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت مجد دنے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے تو یہ بات معقول ہو گی کہ یہ ہستیاں اہل سنت کے نزدیک بھی نہایت اعلیٰ وارفع مقام کے حامل ہیں۔

22 مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، ص:231

23 مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، ص:102

24 ایضاً

25 ایضاً

26 ایضاً، ص:233

27 مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، ص:308

28 الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ، **سنن الترمذی،** لاهور، مکتبه بیت الاسلام، ابواب المناقب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم الحدیث3686 ، لاهور، مکتبه دارالسلام، 1986ء.

29 مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، ج:2، ص:110

30 مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، ص:58

31 مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، ص:67

32 ایضاً، دفتر سوم، ص:148

33 ایضاً، دفتر اول، ج:1، ص:54

34 ایضاً، دفتر اول، ج:3، ص:41